درس ۱۸

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بنیادی طریق کار

یا

انقلابِ نبوی کا اساسی منہاج

سورۃ الجمعہ کی روشنی میں

(۲)

© rasailojaraid.com

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔ اما بعد

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم —— بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الجمعہ کا عمود معین ہو جانے کے بعد اور اس کی مرکزی آیت کے مفہوم و معنی کو کسی حد تک سمجھ لینے کے بعد اب آیئے کہ اس کا آغاز سے تسلسل کے ساتھ مطالعہ شروع کریں۔ ہمیں اس کی ایک ایک آیت پر بھی اجمالاً غور کرنا ہے اور خاص طور پر ہر آیت کا اس سورۃ کے عمود اور مرکزی مضمون کے ساتھ جو ربط بنتا ہے اس کو سمجھنے کی کوشش بھی کرنی ہے۔

پُرجلال آغازِ کلام

فرمایا :

﴿ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ○ ﴾

"تسبیح کرتی ہے اللہ کی ہر وہ شے جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ شے جو زمین میں

© rasailojaraid.com

ہے '(اس اللہ کی) جو الملک (یعنی بادشاہ) ہے 'القدوس (یعنی پاک) ہے 'العزیز (یعنی زبردست) ہے 'الحکیم (یعنی کمال حکمت والا) ہے۔

یہ پہلی آیت گویا اس سورۂ مبارکہ کیلئے ایک نہایت پُر شکوہ اور پُر جلال تمہید اور آغازِ کلام ہے۔ تسبیح باری تعالیٰ کا مفہوم اس سے پہلے سورۃ التغابن کے درس کے ضمن میں عرض کیا جا چکا ہے۔ یہاں یہ نوٹ فرمالیں کہ سورۃ الصف میں اس کا ذکر صیغہ ماضی میں تھا : ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ جبکہ یہاں فعل مضارع آیا ہے : ﴿یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس طرزِ بیان کو اختیار کرکے تسبیح باری تعالیٰ کے ضمن میں قرآن حکیم نے گویا زمان و مکان کا احاطہ کیا ہے۔ اللہ کی تسبیح کائنات میں ہر آن اور ہر لحظہ ہو رہی ہے اور کائنات کے ہر گوشے میں یہ عمل جاری ہے۔ ﴿مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ کے الفاظ پر غور کیجئے۔ یہ دراصل کل سلسلۂ کون و مکان 'کل کائنات کے احاطے کیلئے قرآن حکیم میں مستعمل ہیں۔ اسی طرح فعل ماضی اور فعل مضارع کو جمع کرلیجئے تو کُل زمان کا احاطہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ فعل مضارع عربی زبان میں حال اور مستقبل دونوں کو محیط ہے۔ چنانچہ تسبیح کے لفظ کو ماضی اور مضارع میں لاکر قرآن حکیم نے گویا زمان کا احاطہ بھی کرلیا۔

اللہ کے چار اسماءِ حسنیٰ اور نبی اکرم ﷺ کے فرائض چہارگانہ

اس آیۂ مبارکہ کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے چار اسماء وارد ہوئے ہیں اور یہ ایک غیر معمولی بات ہے۔ قرآن مجید میں اللہ کے اسماء وصفات عام طور پر آیات کے آخر میں وارد ہوتے ہیں 'لیکن اکثر و بیشتر جوڑوں کی شکل میں ہوتے ہیں۔ مثلاً وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ' وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ' وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ' وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ——— وقِس علیٰ ذٰلک۔ لیکن یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ اکٹھے چار اسماء وارد ہوئے ہیں۔ نوٹ کیجئے کہ اس کا اصل سبب اس سورۂ مبارکہ کا عمود ہے۔ ذہن میں تازہ کیجئے کہ اس مرکزی آیت میں جس پر ہم غور کرچکے ہیں 'نبی اکرم ﷺ کے طریق کار کے ضمن میں چار اصطلاحات آئی ہیں 'یا یوں کہہ لیجئے کہ آپ ؐ کی چار شانوں کا ذکر ہے : تلاوتِ آیات ' تزکیہ، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت ——— درحقیقت ان چاروں کا بڑا گہرا ربط ہے ان چار اسماءِ

© rasailojaraid.com

حسنیٰ کے ساتھ! ـــــ وہ "الملک" ہے۔ یعنی بادشاہِ ارض و سماوات ہے۔ چنانچہ اس کی آیات پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں' جیسے کوئی منادی کرنے والا شہنشاہ کے فرامین (Proclamations) لوگوں کو سنا رہا ہو۔ گویا ﴿ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ ﴾ عکس ہے اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی "اَلۡمَلِكُ" کا۔ دوسری شان اللہ کی یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ اَلۡقُدُّوۡس ہے' یعنی انتہائی پاک۔ غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ قدوسیت کا بڑا گہرا تعلق ہے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں بیان کردہ دوسری اصطلاح ﴿ وَیُزَکِّیۡهِمۡ ﴾ یعنی عمل تزکیہ کے ساتھ ـــــ اسی طرح ﴿ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ ﴾ (وہ تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب یعنی احکامِ شریعت کی) میں اللہ تعالیٰ کی شان "العزیز" کا عکس جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ زبردست ہے' مختارِ مطلق ہے' وہ جو چاہے حکم دے' بندوں کا کام ہے اس کے احکام کی بے چون و چرا اطاعت! سورۃ التغابن میں یہ مضمون آچکا ہے : ﴿ وَاسۡمَعُوۡا وَاَطِیۡعُوۡا ﴾ "سنو اور اطاعت کرو"۔ سورۃ البقرۃ میں سود کے بارے میں فرمایا : ﴿ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَیۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ کان کھول کر سن لو! اللہ نے سود حرام کیا ہے اور بیع کو حلال ٹھہرایا ہے' تم کون ہوتے ہو اُس پر اعتراض کرنے والے؟ یہ ہے "العزیز" کا مفہوم۔ یعنی ایک ایسی ہستی جس کے اختیارات پر کوئی تحدید نہ ہو' کوئی limitations نہ ہوں' کوئی checks and balances نہ ہوں' مختارِ مطلق! ـــــ اور آخری اور چوتھا لفظ جو اللہ کی شان میں آیا ہے "الحکیم" اس کا ربط و تعلق گویا از خود ظاہر ہے نبی اکرم ﷺ کے فرائض چہارگانہ میں سے چوتھے کے ساتھ ہے جو درحقیقت نبی اکرم ﷺ کے اساسی منہاج کا نقطۂ عروج ہے' یعنی تعلیم حکمت!

تو پہلی آیت کے بارے میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ ایک پُرشکوہ اور پُرجلال تمہید ہے۔ اور اس کے بعد آئی وہ آیت جس پر ہم غور کر چکے : ﴿ هُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیۡهِمۡ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ ﴾ اس "هُوَ" کو جوڑیے پہلی آیت کے ساتھ کہ محمد ﷺ کا بھیجنے والا ہے کون؟ وہ کہ جس کی تسبیح میں آسمان و زمین کی ہر شے ہمیشہ سے اور ہر آن لگی ہوئی ہے اور ہمیشہ ہمیش تسبیح میں لگی رہے گی' جو الملک ہے' القدوس ہے' العزیز ہے' الحکیم ہے۔ وہ ہے کہ جس نے اٹھایا اُمیین میں سے ایک رسول انہی میں سے۔ جہاں تک اِن اصطلاحات کا تعلق ہے ان پر تو ہم کسی درجے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

میں غور و فکر کر چکے ہیں، اب ہمیں اس آیۂ مبارکہ کے بعض دوسرے پہلوؤں پر توجہ کو مرتکز کرنا ہے۔

اُمّی کا مفہوم

اُمّیّٖن جمع ہے اُمّی کی ــــــ یہ لفظ "اُمّ" سے بنا ہے۔ "اُمّ" عربی زبان میں ماں کیلئے مستعمل ہے۔ "اُمّی" سے گویا ایک ایسی کیفیت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ جیسے کوئی شخص بطن مادر سے برآمد ہوا ہو اور وہ اسی طرح کی کیفیت میں برقرار رہے۔ تو اگرچہ اس اعتبار سے ایک سے زائد مفہوم مراد لئے جاسکتے ہیں، لیکن اس لفظ کا استعمال خاص طور پر ان لوگوں کیلئے ہے کہ جن کے ہاں رواجی تعلیم یعنی لکھنے پڑھنے کا رواج نہ ہو۔ قرآن مجید نے اصطلاحاً یہ لفظ استعمال کیا ہے بنی اسماعیل کیلئے، اس لئے کہ اولاً ان میں پڑھنے لکھنے کا رواج ہی بہت کم تھا اور ثانیاً یہ کہ بنی اسماعیل کے لئے یہ لفظ لایا جاتا ہے بنی اسرائیل کے مقابلے میں، اس لئے کہ وہ اہل کتاب تھے، ان کے ہاں لکھنے پڑھنے کا باقاعدہ رواج تھا۔ ان کے ہاں شریعت تھی، قانون تھا، عدالتیں تھیں، فقہاء تھے، مفتی تھے، لہٰذا بنی اسرائیل کے پس منظر میں یہ بنی اسماعیل اُمی اور اَن پڑھ تھے، ان کے پاس کوئی قانون، کوئی ضابطہ، کوئی کتاب نہیں تھی، یہاں تک کہ لکھنے پڑھنے تک کا رواج نہیں تھا۔

یہاں نوٹ کر لیجئے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثتِ اوّلین "اُمّیّٖن" میں تھی۔ آپ کے مخاطب اوّلین یہی اُمی تھے، اصلاً آپ کی بعثت انہی میں ہوئی۔ "مِنْھُمْ" کا لفظ اس حقیقت کی جانب رہنمائی دے رہا ہے۔ بلکہ اس کے حوالے سے مزید اشارہ کر دیا گیا اس بات کی طرف کہ کسی نبی اور رسول کے لئے اس قوم میں سے ہونا جس کی جانب وہ نبی یا رسول بنا کر بھیجے گئے، درحقیقت اس کے فرائض رسالت اور منصب نبوت کی ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں ممدّ و معاون ہوتا ہے۔ نبی اس قوم کا جانا پہچانا فرد ہوتا ہے جس کی سیرت و کردار سے وہ واقف ہیں، جو انہی کی زبان بولتا ہوا آتا ہے، اجنبیت کا کوئی پردہ اس کے اور قوم کے درمیان حائل نہیں ہوتا۔ یہی دلیل قرآن استعمال کرتا ہے اس اعتراض کے جواب میں کہ انسانوں کی ہدایت کے لئے کسی فرشتے کو نبی بنا کر کیوں نہیں بھیجا جاتا : ﴿لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا﴾ کہ

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے تو ہم لازماً کسی فرشتے ہی کو پیغامبر بنا کر بھیجتے‘ جب یہاں انسان آباد ہیں تو ہم نے انسانوں ہی میں سے انبیاء کو مبعوث فرمایا جن کے احساسات وہی ہوں جو دوسرے انسانوں کے ہیں‘ جن کے مسائل وہی ہوں جن سے دوسرے انسان دوچار ہوتے ہیں‘ پیٹ انہیں بھی لگا ہوا ہو‘ جسم و جان کے تقاضے ان کے ساتھ بھی ہوں‘ تاکہ وہ اپنے جیسے انسانوں پر تبلیغ کریں تو اتمامِ حجت کر سکیں‘ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ جس بات کی تم تبلیغ کر رہے ہو یا جو عملی نمونہ تم ہمارے سامنے پیش کر رہے ہو انسانوں کے لئے قابل عمل نہیں ہے!

اب آیئے اس آیۂ مبارکہ کے آخری ٹکڑے کی جانب : ﴿ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴾ ”اور اگرچہ وہ پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔“ بنو اسماعیل کی گمراہی کی تفصیل یہاں بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ ان کے اوہام‘ ان کے مشرکانہ عقائد‘ ان کی اخلاقی زندگی کا نقشہ معلوم و معروف ہے۔ ”ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ“ کے مصداق وہ تہہ در تہہ گمراہیوں میں دھنسے ہوئے تھے۔ فکر کی‘ عقیدے کی‘ عمل کی‘ اخلاق کی‘ غرضیکہ ہر اعتبار سے وہ کجی اور گمراہی کا شکار تھے۔ پھر یہ کہ ان کے معاشرے میں کوئی نظم تھا نہ تنظیم‘ ہر ایک اپنی جگہ فرعون بے ساماں ہے‘ کوئی کسی کی بات سننے والا نہیں۔ ﴿ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ ﴾ میں گویا اس پوری صورتِ حال کا ایک نقشہ کھینچ دیا گیا۔

نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے دو رُخ

آگے فرمایا : ﴿ وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ ﴾ آیت کا یہ ٹکڑا عطف ہو رہا ہے اُمِّیّٖن پر کہ دوسرے کچھ اور بھی ہیں جن کی طرف آپؐ کو مبعوث فرمایا گیا۔ یعنی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ وَالْاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت اولاً ہوئی ہے اُمیین میں‘ لیکن آپؐ صرف اُمیین کے لئے رسول بنا نہیں بھیجے گئے تھے بلکہ ”آخرین“ یعنی دیگر اقوام کے لئے بھی آپ ﷺ رسول بن کر تشریف لائے تھے۔

اس بات کو سمجھ لینا چاہئے کہ آنحضور ﷺ دو بعثتوں کے ساتھ مبعوث ہوئے۔ آپ کی ایک بعثتِ خصوصی تھی اہلِ عرب کی طرف‘ بنو اسماعیل کی طرف‘ اُمیین کی

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

طرف، جب کہ ایک بعثت عمومی تھی اِلٰی کَآفَّۃِ النَّاسِ یعنی پوری نوعِ انسانی کی جانب۔ جیسے کہ فرمایا گیا: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ﴾ "اور اے نبی! ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر پوری نوعِ انسانی کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر"۔ "نہج البلاغہ" میں نبی اکرم ﷺ کے زمانۂ نبوّت کے ابتدائی دَور کے ایک خطبے میں آپؐ کے یہ الفاظ منقول ہیں: ((وَاللّٰهِ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، اِنِّيْ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ خَاصَّةً وَاِلَى النَّاسِ كَآفَّةً)) "اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں! میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری جانب بالخصوص اور پوری نوعِ انسانی کی طرف بالعموم" تو یہ ہے مفہوم اُمّیین اور آخرین کا۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ یہ آخرین سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی قوم۔ آپؐ نے مزید فرمایا کہ حکمت اور دانائی کی کوئی بات اگر ثریّا پر بھی ہوگی تو اس کی قوم کا کوئی نہ کوئی فرد وہاں سے بھی لے آئے گا۔

یہ بات بھی سمجھ لینے کی ہے کہ امّتِ محمدیہؐ کی تشکیل کچھ اس طرز پر ہے کہ اس کا ایک مرکز (Nucleus) ہے جو بنی اسماعیل پر مشتمل ہے جو نبی اکرم ﷺ کے اوّلین مخاطب تھے۔ خود حضور ﷺ ان ہی میں سے تھے، ان ہی کی زبان بولتے ہوئے آئے۔ آپؐ نے اولاً ان ہی کو تبلیغ فرمائی، انہی کے اندر سے ایک امت تشکیل فرمادی۔ اس کے بعد پھر دوسری اقوام سے، دوسری نسلوں اور دوسرے ملکوں سے لوگ گویا تہہ در تہہ دائروں کی شکل میں اس امت میں شامل ہوتے چلے گئے۔ ایرانی آئے، تورانی آئے، ہندی آئے، بربر آئے، ایشیائی آئے، افریقی آئے۔ یہ سب "آخرین" میں شامل ہیں۔ تو حضور ﷺ کی بعثتیں دو ہوئیں: اولین بعثت اُمّیین میں اور ثانوی بعثت آخرین میں۔

﴿ وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ ﴾ کے الفاظ پر توجہ فرمایئے، یہاں "مِنْهُمْ" معنوی مفہوم میں آیا ہے۔ یعنی جو بھی دائرہ اسلام میں آجائے گا، چاہے وہ ہندی ہو، وہ مشرقِ بعید کا زرد رُو انسان ہو، افریقہ کا سیاہ فام ہو، یورپ کا سرخ و سفید رنگت کا حامل ہو، یہ سب ملت کی وحدت میں گم ہوتے چلے جائیں گے، ایک ملت بنتی چلی جائے گی۔ اسی جانب اشارہ ہے "مِنْهُمْ" میں کہ یہ ایک ہی امت ہے، بعد میں آنے والے اسی امت کا جزو بنتے چلے جائیں گے۔ ﴿ وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ﴾ کہ حضور کی بعثت ہوئی آخرین میں بھی جو ابھی ان کے ساتھ شامل نہیں ہوئے۔ ہو جائیں گے۔ ﴿ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾ اور وہ

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

(اللہ) العزیز ہے' الحکیم ہے"۔ اس آخری اور کامل نبوت و رسالت کے بارے میں اس کی حکمتِ تامّہ کا یہ تقاضا ہوا کہ وہ آپؐ کو دو بعثتوں کے ساتھ مبعوث فرمائے۔ وہ العزیز ہے' زبردست ہے' جو چاہے کرے' اور الحکیم ہے' اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ "یہ اللہ کا فضل ہے' دیتا ہے جس کو چاہتا ہے"۔ ﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ "اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے"۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

یہاں یہ اشارہ کر دیا گیا کہ یہ درجہ بدرجہ فضل کا معاملہ ہے۔ اللہ کا سب سے بڑھ کر فضل ہوا محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر۔ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا﴾ کہ اے نبی (ﷺ) آپ پر اس کا بہت بڑا فضل ہوا۔ آپؐ کو وہ مقام و مرتبہ حاصل ہوگا جسے مقامِ محمود سے تعبیر فرمایا گیا ہے: ﴿عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ تو اوّلین اور بلند ترین فضیلت حاصل ہوئی محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو جو سیّد الاوّلین والآخرین ہیں' سیّد الانبیاء ہیں' امام الرّسل ہیں۔ پھر بقیہ نوعِ انسانی کے مقابلے میں ایک درجہ فضیلت کا حاصل ہوا اُمّیین کو یعنی بنو اسماعیل کو۔ ع

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا!

اب یہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور دین ہے کہ اس نے عربوں کو چن لیا اور ان میں اپنا آخری نبی مبعوث فرمایا' ان کی زبان میں اللہ کا آخری کلام نازل ہوا' جو طور طریقے ان کے ہاں رائج تھے انہی میں قطع و برید کر کے آخری اور کامل شریعت کا تانا بانا تیار کیا گیا۔ یہ بات اس سے پہلے سورۃ الحج کے آخری رکوع میں ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ﴾ کسی غیر ابراہیمی نسل کے انسان کے لئے مغائرت کا کوئی معاملہ ہو سکتا ہے۔ زبان کا حجاب ایک بڑی رکاوٹ ہے' پھر نسلی اور موروثی عادات و خصائل کا معاملہ ہے جو منافرت کا سبب بن سکتا ہے۔ لیکن اے بنو اسماعیل! تمہارے لئے تو کوئی غیریت نہیں' کوئی اجنبیت نہیں' تمہارے جو موروثی مراسم تھے ان ہی میں سے اکثر و بیشتر کو معمولی سی قطع و برید کے بعد اس آخری شریعت کا جزء بنا لیا گیا۔ یہ طواف تمہارے ہاں ہوتا چلا آ رہا تھا' قربانی کی رسم تمہارے ہاں چلی آ رہی تھی'

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

منیٰ اور عرفات کا قیام کسی نہ کسی درجے میں تمہارے ہاں جاری تھا' تلبیہ تمہارے ہاں مروج تھا' اگرچہ اس میں تم نے اپنی طرف سے بعض شرکیہ کلمات شامل کر لئے تھے۔ گویا مجموعی طور پر وہ پورا ڈھانچہ (structure) موجود تھا جس میں ترمیم و اضافہ کر کے آخری شریعت کا تانا بانا تیار ہوا۔ تو یہ بلاشبہ ایک فضیلت کا مقام ہے جو انہیں حاصل ہوا۔ پھر درجہ بدرجہ یہ فضیلت حاصل ہے نوعِ انسانی کے ہر اُس فرد کو جو دامن محمدی سے وابستہ ہو جائے' جو ملّتِ اسلامیہ میں شامل ہو جائے' جو اس امّتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسلام) میں شریک ہو جائے۔ ﴿ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○ ﴾

یہود کا ذکر بطورِ نشانِ عبرت

© rasailojaraid.com

اب اگلی آیت میں یہود کا تذکرہ ہے۔ اور یہ بات اس سے قبل "المُسبِّحات" کے تعارف کے ضمن میں اصولاً بیان کی جا چکی ہے' جس کی ایک بڑی واضح اور نمایاں مثال سورۃ الصّف میں ہمارے سامنے آ چکی ہے' کہ ان سورتوں میں اگرچہ اصلاً خطاب اُمّتِ مُسلمہ سے ہے' لیکن سابقہ امّتِ مسلمہ یعنی بنی اسرائیل کو بطور نشانِ عبرت مسلمانوں کے سامنے لایا جاتا ہے۔ اب ظاہر بات ہے کہ ہر سورت میں بنی اسرائیل یعنی یہود میں اعتقادی یا عملی گمراہیوں کا وہی پہلو زیر بحث آئے گا کہ جو اس سورت کے عمود سے متعلق ہو۔ جہاد و قتال کا مضمون سورۃ الصف میں مذکور تھا تو وہاں اس خاص پہلو سے ان کا جو معاملہ رہا اور قتال فی سبیل اللہ سے انکار کر کے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس شدید ذہنی اذیت سے دوچار کیا' اسے نمایاں کیا گیا کہ مسلمانو! کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی اس روش کو اختیار کر لو! اب غور کیجئے کہ یہاں سورۃ الجمعہ میں ساری گفتگو قرآن مجید کے گرد گھوم رہی ہے۔ واضح کر دیا گیا کہ محمدٌ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آلۂ انقلاب قرآن حکیم ہے' مزید یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف اُمِّیین کے لئے رسول ہو کر نہیں آئے پوری نوعِ انسانی کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

کتاب اللہ کا وارث کون؟

© rasailojaraid.com

یہی وجہ ہے کہ سیرتِ طیبہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی قرآن کے ذریعے

انذار و تبشیر کا فریضہ سرانجام دیا' اسی کے ذریعے تذکیر فرمائی' اور اسی کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں اُمّیین میں سے ایک امت تیار فرما دی' اسے تربیت و تزکیہ کے مراحل سے گزارا' اسے نہ صرف یہ کہ کتاب و شریعت کی تعلیم دی بلکہ کتاب کا ایک بھرپور عملی نمونہ اس کے سامنے پیش کر کے دکھا دیا' اور پھر حجۃ الوداع کے موقع پر امت سے یہ گواہی لینے کے بعد کہ : "اِنَّا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَ اَدَّيْتَ وَ نَصَحْتَ" (اے نبی ﷺ! ہم گواہ ہیں کہ آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا' اللہ کی امانت درست طور پر پہنچا دی اور نصح و خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔) خطبے کے آخر میں فرمایا : ((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ)) کہ جو یہاں موجود ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس پیغامِ حق کو پہنچائیں ان تک کہ جو یہاں موجود نہیں۔ غور کیجئے' یہی واحد لائحہ عمل ممکن تھا' اس کے سوا کوئی صورتِ حال قابلِ عمل نہیں تھی اس لئے کہ حضور ﷺ اگر پوری نوعِ انسانی کے لئے رسول ہیں' اور بلاشک و شبہ ہیں' تو یا تو یہ صورت ہوتی کہ آپؐ کی حیاتِ دُنیوی قیامت تک دراز کر دی جاتی تاکہ آپؐ اپنے فرائض رسالت خود بنفسِ نفیس ادا فرماتے رہتے' پھر جو کوئی آپؐ کا ساتھی بنتا وہ دعوت و تبلیغ کے کام میں آپؐ کا دست و بازو بنتا جاتا' جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپؐ کے ساتھ دین کی راہ میں تعاون کیا' آپؐ کی نصرت کی' آپؐ کے اعوان و انصار بنے' آپؐ کے مشن کی تکمیل کے لئے اپنی جانیں دیں اور اپنی جان اور مال اس راہ میں کھپایا۔ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً تبلیغ دین کا کام قیامت تک براہِ راست نبی اکرم ﷺ ہی کی زیرِ سرکردگی جاری رہتا۔ لیکن جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا تو اب ایک ہی راستہ ممکن تھا کہ وہ امت جو آپؐ نے تیار فرما دی' اللہ کا پیغام نوعِ انسانی تک پہنچانے کی ذمہ دار بنے' وہ اسی قرآن کو ہاتھ میں لے کر نکلے اور اس کی ہدایتِ تامّہ سے پورے روئے ارضی کو منور کرے' قرآن کی تعلیمات کو عام کرے اور اس کی تبلیغ کا فریضہ ادا کرے' بلکہ اس کا حق ادا کر دے۔ اس کے سوا کوئی صورت نہیں!

اسی حوالے سے خطبہ حجۃ الوداع کا ایک اور جملہ بھی ذہن میں تازہ کر لیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا : ((قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا' كِتَابَ اللّٰهِ)) "لوگو! میں چھوڑ کر جا رہا ہوں تمہارے مابین وہ چیز کہ اگر تم نے اس کو تھامے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے' اور وہ ہے اللہ کی کتاب!" —— غور کیجئے کہ یہاں "اعتصام" کا لفظ آیا

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

ہے۔ اس کا تعلق جوڑ لیجئے سورۃ الحج کے درس کے ساتھ۔ وہاں ﴿وَاعۡتَصِمُوۡا بِاللّٰہِ﴾ کے الفاظ وارد ہوئے تھے اور میں نے عرض کیا تھا کہ اعتصام باللہ کی قدرے وضاحت سورۃ آلِ عمران میں آئی ہے : ﴿وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ...﴾ اس کی مزید وضاحت کے لئے میں نے قرآن مجید کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کا یہ قول سنایا تھا کہ : ((ھُوَ حَبۡلُ اللّٰہِ الۡمَتِیۡنُ)) (یہ قرآن ہے اللہ کی مضبوط رسی)۔ یہاں خطبہ حجۃ الوداع میں یہی بات آئی کہ ((قَدۡ تَرَکۡتُ فِیۡکُمۡ مَا اِنِ اعۡتَصَمۡتُمۡ بِہٖ . . .)) کہ اے مسلمانو' میں تمہارے حوالے کر کے جا رہا ہوں وہ کتاب کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے تھامے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہ ہو گے ___ تو جان لیجئے کہ انبیاء کے بعد ان کی امتیں کتاب کی وارث ہوا کرتی ہیں' چنانچہ نبی اکرم ﷺ کے وصال فرمانے کے بعد اب یہ امت کتاب اللہ کی وارث ہے۔ وراثت کتاب کا مضمون سورۃ الشوریٰ میں بایں الفاظ آیا ہے : ﴿وَاِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡرِثُوا الۡکِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ لَفِیۡ شَکٍّ مِّنۡہُ مُرِیۡبٍ ۝﴾ ایک شکوے کے سے انداز میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ وہ لوگ یا وہ امتیں جو نبیوں کے بعد ان کی کتابوں کی وارث بنتی ہیں وہ اس کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ کتاب کے وارث ہونے کے ناطے امت کا فرضِ منصبی یہ بنتا ہے کہ وہ اللہ کی کتاب کو ہاتھ میں لے کر اٹھ کھڑی ہو اور اس کے نورِ ہدایت سے چہار دانگ عالم کو منور کر دے۔ اے مسلمانو! اگر تم یہ فرضِ منصبی ادا نہیں کرو گے تو جان لو کہ پھر تمہارا طرزِ عمل وہ ہو گا جو اس سے پہلے یہود اختیار کر چکے ہیں' اور جس کی پاداش میں انہیں مغضوب علیھم قرار دیا جا چکا ہے ___ یہاں وہ ربط اب معین ہو گیا۔ اگلی آیات کے مضامین کا اس سورت کے مرکزی مضمون کے ساتھ در حقیقت یہی ربط ہے۔

(جاری ہے)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

© rasailojaraid.c